ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیاد
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رح
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۱۹ مارچ ۱۹۸۲ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور
ڈیڑھ روپیہ

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

"منبہات" نامی معروف کتاب کا اردو ترجمہ مولانا زاہد الراشدی کے قلم سے ترتیب وار پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ مترجم اور قارئین کے لئے اسے نافع بنائے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں۔ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اور رحمتیں نازل ہوں اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ پر جو تمام مخلوقات اور جہانوں سے افضل ہیں۔

یہ رسالہ "منبہات" ہے جو الشیخ شہاب الملۃ والدین احمد بن علی بن محمد بن احمدؒ نے جو اصلاً ہیں عسقلانی ہیں بعد میں مصری ہو گئے اور شافعی المذہب ہیں اور ابن حجرؒ کے نام سے معروف ہیں قیامت کے دن کی تیاری کے لئے تصنیف فرمایا ہے۔

اس میں کچھ دو دو باتوں والی تنبیہات ہیں کچھ تین تین باتوں والی اور دس دس باتوں والی تنبیہات تک۔

دو دو باتوں والی تنبیہات

ان میں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے کوئی چیز بہتر نہیں ہے (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور (۲) مسلمانوں کو نفع دینا۔ اور دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے کوئی چیز بُری نہیں ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا۔ تم پر لازم ہے کہ علماء کی مجالس میں بیٹھو۔ اور دانشوروں کی باتیں سنو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ مردہ دل کو حکمت کے نور سے اس طرح زندہ کر دیتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی کے ساتھ زندہ کرتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو آدمی قبر میں بغیر زادِ راہ (اعمال صالحہ) کے داخل ہو گیا وہ ایسے ہے جیسے دریا میں بغیر کشتی کے اتر گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی عزت مال کے ساتھ ہے اور آخرت کی عزت نیک اعمال کے ساتھ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ دنیا کا غم دل میں تاریکی پیدا کرتا ہے اور آخرت کا غم دل میں نور پیدا کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص علم کی تلاش میں رہتا ہے جنت اس کی تلاش میں ہے۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا اور دانا آدمی آخرت پر دنیا کو ترجیح نہیں دیتا امام اعمشؒ سے روایت ہے کہ جس کا راس المال تقویٰ ہے اس کے دینی فائدے کے بیان سے زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور جس کا راس المال دنیا ہے اس کے دینی نقصان کے بیان سے زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صغیرہ گناہ پر اصرار کیا جائے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور کبیرہ پر استغفار ہو تو وہ کبیرہ نہیں ہے۔

ارباب سکندر خاں خلیل شہیدؒ

ع مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

صوبہ سرحد کے ایک نامور قومی و ملی راہنما ارباب سکندر خان خلیل کسی شقی القلب کی گولی کا نشانہ بنے ——— قومی اخبارات سے قارئین معلوم کر چکے ہیں کہ وہ صبح کی سیر کو نکلے اور ایک ظالم کی گولی کا نشانہ بن گئے ——— قاتل نے فرار ہونا چاہا لیکن اسے پکڑ لیا گیا اور اب وہ قانون کے محافظوں کی نگرانی میں ہے ——— اس کا کیا بنے گا اس پر فی الحال کوئی تبصرہ ممکن نہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر جو بات سوچنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس قتل کے پس پردہ محرکات کی چھان پھٹک ہو سکے گی یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ ظلم و تشدد کی یہ لہر کسی موڑ پر رکے گی یا اسی طرح شرفاء گولیوں کا نشانہ بنتے رہیں گے؟

ابھی کل کی بات ہے لاہور جیسے مرکزی شہر میں چودھری ظہور الٰہی دن کی روشنیوں میں گولیوں کی بوچھاڑ کا نشانہ بن گئے

— — — — — — — — —

ارباب صاحب خاندانی اور ذاتی اعتبار سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ برصغیر کی عظیم دینی و ملی تحریک کے قائد و امام حضرت السید احمد شہید بریلوی قدس سرہٗ اپنے نامی اور فرشتہ صفت رفقاء کے ساتھ سکھ دہشت گردی کے استیصال اور فرنگی استبداد کا راستہ روکنے کی غرض سے جب طویل سفر اختیار کر کے شمال مغربی علاقہ میں پہنچے تو ابتدا میں انہیں یہاں بے پناہ کامیابی حاصل ہوئی۔ یہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اور لوگوں نے مدتوں بعد اسلام کے نظام عدل کا نظارہ کیا۔ اس جدوجہد میں جن مقامی لوگوں نے سید صاحب کا بھرپور ساتھ دیا ان میں ارباب شہید

کے آباء و اجداد بھی تھے بلکہ مصدقہ تاریخی روایات کے مطابق سید صاحب کا ہیڈ کوارٹر اسی غیرت مند خاندان کا قصبہ تہکال تھا اور وہ گویا انہی کے مہمان تھے —— یوں تاریخی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایثار و قربانی اس خاندان کی پرانی ریت ہے۔ ایسی ریت جسے ارباب صاحب مرحوم نے اپنی پوری عملی زندگی میں نبھایا اور بالآخر اسی راہ میں شہید ہو گئے۔

ہم نے ارباب صاحب کو گورنر کے طور پر دیکھا، اسمبلی ممبر کے طور پر دیکھا، اپنی پارٹی کے صوبائی سربراہ کے طور پر دیکھا اور اجتماعی جدوجہد میں ہراول قافلے کے وفاکیش اور جری رہنما کے طور پر دیکھا لیکن کیا مجال کہ کوئی عہدہ و منصب یا کسی قسم کی عوامی پذیرائی نے ان کے مزاج پر کوئی اثر ڈالا ہو؟ وہ ایک اکل کھرے، مسلمان اور دردمند انسان تھے، سادگی و شرافت، خود داری و غیرت، ایثار و قربانی اور ہر کسی کے ساتھ مشفقانہ اور برادرانہ سلوک ان کی وہ خوبیاں تھیں جو ان کے بہت کم ہمعصروں کو نصیب ہوئی تھیں —— وہ خاندانی طور پر زمیندار اور کھاتے پیتے گھرانے کے فرد بلکہ اب ایک عرصے سے اپنے کنبے کے سربراہ تھے لیکن ایک بھلے اور دردمند انسان کی [illegible] زندگی گزارتے [illegible] بندہ کی تیرے [illegible] ہر کسی سے پیار کرنے والے اور انسانوں کی پیدا کردہ طبقاتی تقسیم سے نفرت کرنے والے۔

برصغیر کی تحریک مجاہدین کی رزم آرائیاں انہیں ورثہ میں ملی تھیں اس لئے نیکی و شرافت ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ فرائض کی پابندی اور حقوق کا خاطر و پاس رکھنا گویا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مخلص انسان کے ساتھ ہونے والے اس سلوک پر ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، قلم کانپ رہا ہے اور ہاتھ لرز رہے ہیں۔ الفاظ ہیں کہ ہمارا ساتھ نہیں دے رہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ اس عظیم انسان کو کیسے خراجِ عقیدت پیش کریں؟

مختصر یہ کہ وہ طاب حیّا وطاب میّتا کے مصداق خوبصورت زندگی گزار کر خوبصورتی کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لیکن کئی سوال ان کی شہادت کے ساتھ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کا فوری جواب انتظامیہ کی وہ ذمہ داری ہے جس کو اگر پورا نہ کیا گیا تو یہ خوفناک مزید مسائل کو جنم دینے کا باعث ہو گی۔

یہ قتل ایک فرد کا ذاتی فعل ہو ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں؟ پھر کیا ہے اس کا فیصلہ حکومت کو کرنا ہے؟ —— —— ——؟ جب اس قسم کے جرائم کے معاملہ میں ڈھیل دی جاتی ہے یا تغافل برتا جاتا ہے تو مزید جرائم سامنے آتے ہیں۔ وہ طبقہ جو دہشت گردی کا ماحول پیدا کرکے ملک کی قسمت سے کھیلنا چاہتا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے یا افغانستان کے افسوسناک حالات اس کی تہہ میں کام کر رہے ہیں؟ یہ دونوں باتیں قومی اخبارات میں آ رہی ہیں اور ان کا فی الفور تجزیہ ازبس ضروری ہے۔

جہاں تک دہشت گرد ٹولے کا تعلق ہے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں لیکن جہاں تک دوسرے معاملہ کا تعلق ہے وہ نہایت درجہ سنجیدگی کا متقاضی ہے۔ ارباب شہید کے رفیق سفر خان عبدالولی خان غالباً پہلے قومی رہنما ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کی سنگینی کی طرف اپنے ایک انٹرویو میں توجہ دلائی تھی اور برادرانہ جذبات کے باوجود مہاجرت کے نام پر کھلی آمد و رفت کے معاملہ میں حکومت کو متوجہ کیا تھا آخر اس طرح کی جب صورت حال ہو تو مظلوم کے ساتھ ظالموں کا در آنا نئی بات نہیں اور ہم مختلف مواقع پر اس کا تلخ تجربہ کر چکے ہیں لیکن ہماری جذباتیت یا سوچ کے فقدان نے ایسے حالات پیدا کر دئیے ہیں کہ ہم غیر شعوری طور پر وہ کچھ کر گزرتے ہیں جو پھر

(باقی ۸)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

صوفیائے کرام ہمارے محسن ہیں

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بعد از خطبہ مسنونہ:۔

محترم بزرگو! اور عزیز ساتھیو!

توفیق الٰہی سے ہم یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ صوفیاء کے طور طریق کے مطابق ذکر و فکر کرتے ہیں۔ کتنی مبارک ہیں یہ گھڑیاں جو یادِ الٰہی میں گزرتی ہیں خدا کرے کہ ہمارے شب و روز اللہ کی یاد اور عبادت و بندگی کے لئے وقف ہو جائیں اور ہم جہاں بھی ہوں اس کی یاد میں محو و مشغول رہیں

عزیزانِ گرامی! حضرت فرماتے تھے۔ جو دم غافل سو دم کافر۔ واقعہ یہی ہے کہ ایک لمحہ اس ذات پاک سے دوری و غفلت سالوں کا گھاٹا اور نقصان ہے۔ ہم سب کے آقا و مرشد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہاری زبانیں ہمیشہ یادِ الٰہی سے تر رہنی چاہئیں۔ یہ سلوک و تصوف کا راستہ وہی راستہ ہے جو احسان و تزکیہ کے عنوان سے قرآن و سنت میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ السلام کے فرائض میں تزکیہ شامل تھا اور آپ نے احسان کی تعریف یہ فرمائی کہ خدا کی عبادت و بندگی اس انداز سے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور ایسا نہ ہو تو اس کا تو یقین کر لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ حضرات صوفیاء نے اسی انداز پر محنت کی، لوگوں کو اللہ کا نام لینے کا طریقہ سکھایا، اس کے آداب سے آگاہ کیا اس لئے یہ حضرات ہمارے محسن ہیں، ان کے احسانات کا بارِ عظیم ہمارے سر ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑا علاقہ وہ ہے جہاں انہی حضرات کی آہ سحرگاہی اور محنت و مشقت سے اسلام پھیلا۔ اور جہاں ان کی محنت سے اسلام پھیلا وہاں اب تک اسلام کی رونق قائم ہے۔ اور یہ بزم سجی ہوئی ہے اور جہاں دوسرے ذرائع سے اسلام گیا وہاں کی صورت حال بالکل جداگانہ ہے لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ جس خطہ کے مسلمانوں نے قرآن و سنت کی واضح تعلیم کے برعکس باہمی انتشار اور سر پھٹول کو اپنا وطیرہ بنا لیا وہ حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اندلس کا معاملہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ سات سو برس کی سطوت و شاہی ایسی مٹی کہ توبہ بھلی!

خلافت بنو عباس جس طرح سازشوں کا شکار ہوئی وہ بھی ہمارے سامنے ہے اور پھر خود ہمارے یہاں برصغیر میں وقتاً فوقتاً جو ڈرامے ہوئے اور جس طرح مسلمانوں نے مسلمانوں کا گلا کاٹا اور اس کے نتیجہ میں جو رسوائیاں ہمارا مقدر بنیں اس سے کون واقف نہیں؟ سنہ ۱۹۷۱ء میں صوبائیت کے بھونڈے نعروں نے پاکستان کو دو لخت کرایا۔ اور اب پھر یہاں سازشیں ہو رہی ہیں اور ایک طبقہ ہے جو اس ملک میں رہ کر اس کی بنیادوں پر تیشہ چلانے کی فکر میں ہے۔

اندازہ لگائیں اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہو سکتی ہے جہاں ہم رہیں اس خطہ کا بُرا چاہیں۔ اس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولیں۔ عالمگیر پیغمبر کی امت ہو کر

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

سیرتِ نبوی قرآنی

فتحِ مبین کی تمہید

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم العالیہ

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ۔ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۔ (صدق اللہ العلی العظیم)

بزرگانِ محترم ، برادرانِ عزیز !

غزوۂ احزاب یا خندق کے بعد جس واقعہ کو اس ضمن میں بڑی اہمیت حاصل ہے وہ غزوہ حدیبیہ ہے جس کو دوسرے لفظوں میں فتح مبین کی تمہید کہنا چاہیئے ۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی غزوہ نہیں اس لئے کہ یہاں نہ تو کوئی جنگ ہوئی نہ ہی حضور علیہ السلام کا اس قسم کا کوئی ارادہ تھا ۔ لیکن چونکہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے اس قسم کے حالات پیدا کر دئے گئے تھے اس لئے سیرت نگار حضرات اس ضمن میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں ۔

اس کی ابتدا کچھ اس طرح ہوئی کہ سنۃ کے ذی قعدہ میں (مارچ ۶۲۸ء) حضور نبی کریم علیہ السلام ایک خواب کی بنا ، پر جس کا ذکر آگے آئے گا محض عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے ۔ ۱۴۰۰ صحابہ علیہم الرضوان آپؐ کے ساتھ تھے ۔ مکہ معظمہ پر ہنوز کفار و مشرکین کا قبضہ تھا اس لئے آپ نے لازمہ سفر کے طور پر محض ایک تلوار ساتھ رکھنے کی اجازت دی ۔ یہ سب احتیاطیں اپنی جگہ تھیں لیکن اس کے باوجود دنیائے کفر میں بدگمانیوں کا سلسلہ زوروں پر تھا اور وہ مقابلہ کے انداز میں تیاریاں کرنے لگے ۔ حدیبیہ جو مکہ معظمہ کی قریب ترین منزل اور پڑاؤ ہے وہاں اس قسم کی صورت حال کا آپ کو علم ہوا تو آپ نے رفقاء سمیت وہاں خیمے گاڑ دئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک وفد کے قائد کے طور پر سردارانِ قریش کے پاس بھیجا تاکہ انہیں اطمینان دلایا جائے اور ہم بغیر کسی اضطراب و پریشانی خدا کے گھر کی زیارت کر سکیں ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعزاز

سفیرِ نبویؐ کی واپسی میں تاخیر سے تشویش ہوئی تو حضور علیہ السلام نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھ کر سب سے بیعت لی جس کا مقصد خونِ عثمانؓ کا قصاص تھا چاہے کچھ ہی ہو جائے ۔ تمام موجود صحابہؓ کی بیعت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت اس طرح لی گئی کہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے اپنے ایک ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت فرمائی ۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پروانۂ خوشنودی نصیب ہو چکا تھا اس بیعت پر بطور خاص یہ آیات نازل ہوئیں :-

"اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے جو کچھ ان

(باقی ص ۷ پر)

کے دلوں میں تھا اللہ کو اس کا علم ہو گیا ۔ سو اس نے ان پر سکینت و طمانیت نازل فرمائی ۔ اور انہیں قریب ہی زمانہ میں فتح عنایت کی" ۔ (الفتح)

مسلمانوں کو پریشانی یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کا خواب ہے اور خدا کے پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا ہے وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ نبی کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا وہ بالکل سچا ہوتا ہے لیکن یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا کہ خواب کا تعلق اسی سال سے ہے یہ بات چندے بعد بھی تو ممکن ہے ۔ قرآن عزیز میں ہے :-

"بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کا خواب سچا کر دکھایا مطابق واقعہ کے تم لوگ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے انشاء اللہ تعالیٰ امن کے ساتھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا" ۔ (الفتح)

آپؐ کا خلق عظیم

حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا جس میں کچھ شرائط کے تحت خطرات ٹل گئے ۔ مسلمان پریشان تھے کہ اتنے طویل سفر کے بعد اس طرح واپسی ؟ آخر ہمارا کیا قصور ہے ؟ بعض حضرات نے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے سرکار دو عالم علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر نہیں ؟ لیکن آپؐ نے انہیں تسلی دلائی بلکہ ایسا بھی ہوا کہ تکمیل صلح سے قبل قریش نے اپنا ایک دستہ حملہ کے لئے بھیج دیا وہ سب گرفتار ہو گئے ۔ مسلمانوں کے لئے ان کا قتل مشکل نہ تھا لیکن رحمتِ عالمؐ نے معاف کر کے ایک عظیم روایت قائم فرمائی ـــــ ارشاد ربانی ہے :-

"اور اللہ وہی ہے جس نے ان لوگوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے بطن مکہ (وادی) میں روک لئے ، اس کے بعد تمہیں ان پر قابو دے دیا گیا تھا" (الفتح)

کفار کی بے راہروی

ـــــ اور ـــــ

آپؐ کا صبر و حوصلہ

شرائط معاہدہ کے ضمن میں کفار نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے باسمک اللّٰھم اور محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ پر اصرار کیا ۔ اس ضد و تعصب کے سبب مسلمانوں کو سخت غصہ آیا اور قریب تھا کہ صلح کی گفتگو ٹوٹ جائے لیکن آپؐ نے اپنے جاں نثاروں کے جوش کو اس طرح ٹھنڈا کیا ، کہ تکمیل صلح ہو گئی ۔ قرآن مجید نے کیا خوب انداز اختیار کیا :-

" اور جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب اور اور تعصب جاہلی کو جگہ دی تو اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا" ۔ (الفتح)

اندازہ فرمائیں کہ خدا اپنے مخلص بندوں کی کس طرح امداد کرتا اور قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے ۔ یہ لوگ جنہوں نے درخت کے نیچے حضور علیہ السلام کے دستِ حق پرست پر سرفروشی کی بیعت کی ۔ خدا نے انہیں جو پروانے عطا فرمائے ان میں ایک وہ ہے جس کا ذکر ابتدائی آیت میں آپ سن چکے ۔ اس کا ترجمہ ہے :-

"بے شک جن لوگوں نے آپؐ سے بیعت کی ہے ، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے" ۔ (الفتح)

حضور علیہ السلام نے اسی کو ید اللہ علی الجماعۃ سے تعبیر فرمایا ۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے جوڑ ، نظم ، اتحاد و اجتماع اور باہمی یگانگت میں بے شمار برکات ہیں ۔ جبکہ بے نظمی ، انتشار و افتراق اور آپس کی عداوت و دشمنی میں نقصان

ہی نقصان ہے۔ اگر آپ کبھی سنجیدگی سے اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں گے، تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی مختلف سلطنتوں کا مِٹنا اور تباہ ہونا اور ان کی عزت و وقار کو دھچکا لگنا اس کی بنیاد ہمیشہ بدنظمی اور باہمی سرپھٹول رہی اور آج اتنی بڑی تعداد اور آبادی کے باوجود جو پریشانیاں ہیں ان کا بنیادی سبب بھی یہی ہے اس لئے اہل نظر کا فرض ہے کہ وہ بطور خاص اس مسئلہ کی طرف توجہ کریں اور سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

بالخصوص اہل اقتدار اور اہل علم کا فرض ہے کہ وہ ایسی حرکات سے گریز کریں جو باہمی تفرقہ کا سبب ہوں ——— و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ : مجلسِ ذکر

کالے گورے کی تمیز کریں۔ بلوچی، سندھی، سرحدی، پنجابی کے جھگڑے کھڑے کریں ——— ان تمام مصیبتوں سے نجات اور چھٹکارا ایک ہی شکل میں ممکن ہے کہ اللہ کی یاد اپنے دلوں میں پیدا کی جائے۔ حضرات صوفیاء کرام کے طریقوں کے مطابق باہمی پیار و محبت کی ریت زندہ کی جائے، ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں اور اپنے فرائض و حقوق کا لحاظ کریں کہ اس کے بغیر دنیا کی زندگی ———

جی ہاں ——— باعزت زندگی ناممکن ہے ——— اللہ تعالےٰ ہمیں اپنی یاد کی توفیق دے ——— و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ : اداریہ

طاقتوں کی خواہش ہوتی ہے۔

بہرحال ان پیچیدہ اور نازک حالات میں ہم اس شہیدِ غیرت و حریت کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے جہاں اس کے لواحقین و متعلقین سے بھرپور ہمدردی کا اظہار کرتے اور ان کے صبر کے لئے دعاگو ہیں وہاں ملکی انتظامیہ سے بصد احترام درخواست کرتے ہیں کہ اس المناک سانحہ کی بے لاگ تحقیق کا اہتمام کرے۔ اور اس قتل کے پس پردہ عوامل و محرکات کا پتہ لگا کر ہر اس ہاتھ کو مروڑ دیا جائے جو اس قسم کی بھیانک حرکتوں میں کسی طرح بھی شریک ہے۔

اگر ظلم و جبر کا قلع قمع نہ کیا گیا تو پھر اس دھرتی پر کسی شریف انسان کا آبرومندانہ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور فوری!

بقیہ : خواتین کا صفحہ

"جس عورت کی دیانت اور تقویٰ کا یہ حال ہے معلوم تو کرو یہ کون عورت ہے؟"

عبداللہ اس کے پیچھے جاتے ہیں اور جب وہ مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی بشر بن حارث کے مکان میں داخل ہوتی ہیں تو وہ لوٹ آتے ہیں اور باپ سے کہتے ہیں:

"یہ خاتون بشر بن حارث کی بہن ہیں اور ان کا نام مخہ ہے۔"

امام فرماتے ہیں کہ میرا بھی یہی خیال تھا یقیناً یہ بشر کی بہن مخہ ہی ہو سکتی ہیں۔

اصحاب رسول علیہ السلام

امام الشہداء حضرت خبیب رضؓ بن عدیؓ

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ

دشمن جب محلہ چھوڑ دے یا شہر سے نکل جائے تو سکون مل جاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے جب مکّہ چھوڑا اور تمام جائدادیں کفار کے حوالے کرکے مکہ سے ۳۰۰ میل دور مدینہ میں جا آباد ہوئے تو کفار پہلے سے بھی زیادہ بے قرار ہو گئے ——— اصل واقعہ یہ ہے کہ ہجرت مدینہ سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان الگ رہ کر تیاری کریں گے۔ اہل عرب رسول اللہ کی دعوت کو قبول کریں گے اور جب یہ قطرہ دریا بن گیا تو ہماری سرداری کا جاہ و جلال، اسلام کے سیلاب حق کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیگا۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قریش مکہ نے اپنی دماغی پریشانیوں کے ماتحت خود ہی "آ بیل مجھے مار" کی روش اختیار کر لی تھی۔ جب بدر اور اُحد کے میدانوں اُن کے تیغ آزماؤں کا زعم باطل بھی ختم ہو گیا تو وہ سازش کے جال بچھانے لگے انہوں نے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو رسول اللہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا "اگر آپ ہمیں چند مبلّغ عنایت فرما دیں تو ہمارے تمام قبیلے مسلمان ہو جائیں گے"

حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے عاصمؓ بن ثابت کی ماتحتی میں کل دس بزرگ صحابہ کا وفد ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ایک گھاٹی میں کفار کے دو سو مسلّح جوان مسلمان کے اس تبلیغی وفد کا انتظار کر رہے تھے جب مبلغینِ اسلام یہاں پہنچے تو بے نیام تلواروں نے بجلی بن کر ان کا استقبال کیا۔ مسلمان اگرچہ اشاعتِ قرآن کے لئے گھروں سے نکلے تھے مگر تلوار سے خالی نہ تھے۔ احساسِ خطرہ کے ساتھ ہی دو سو کے مقابلے میں دس تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ آٹھ صحابی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور خبیبؓ بن عدیؓ اور زیدؓ بن دسنہ دو شیروں کو کفار نے محاصرہ کرکے گرفتار کر لیا۔ ہزیل انہیں مکہ لے گیا اور یہ دونوں صالح انسان نقد قیمت پر مکہ کے درندوں کے ہاتھوں فروخت کر دئے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا اور پہلا حکم یہ دیا گیا کہ انہیں نہ روٹی دی جائے نہ پانی۔ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور کھانا بند کر دیا گیا۔

ایک دن حارث کا نو عمر بچہ چھری سے کھیلتا ہوا حضرت خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا۔ اس مرد صالح نے جو کئی روز سے بھوکا اور پیاسا تھا حارث کے بچّہ کو گود میں بٹھا لیا۔ اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دی۔ جب ماں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت خبیبؓ چھری اور بچہ لئے بیٹھے تھے۔ عورت چونکہ مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی یہ حال دیکھ کر لڑکھڑا گئی ——— اور بے ساختہ چیخنے لگی۔ حضرت خبیبؓ نے عورت کی تکلیف محسوس کی تو فرمایا!

"بی بی! تم مطمئن رہو میں بچہ کو ذبح نہیں کروں گا مسلمان ظلم نہیں کرتے"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی گود کھول دی۔ معصوم بچّہ اٹھا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

قریش نے چند روز انتظار

گیا۔ جب فاقہ کشی کے احکام اپنے مقصد میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے تو قتل کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ کھُلے میدان میں ایک ستون نصب تھا اور یہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف بے شمار لوگ ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے۔ بعض تلواریں چمکا رہے تھے۔ بعض نیزے تان رہے تھے۔ بعض کمان میں تیر جوڑ کر نشانہ ٹھیک کر رہے تھے کہ آواز آئی "خبیبؓ آ رہا ہے" مجمع میں ایک شورِ محشر بپا ہو گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے مستعدی سے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے اور خون بہانے کے لئے تیار ہو گئے۔

مردِ صالح خبیبؓ قدم بہ قدم تشریف لائے اور انہیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا ایک شخص نے انہیں مخاطب کیا اور کہا "خبیبؓ! ہم تمہاری مصیبت سے دردمند ہیں اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے"۔

حضرت خبیبؓ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ "جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو پھر جان بچانا بیکار ہے"۔ اس جواب کی ثابت قدمی بجلی کی طرح پُر شور بھیڑ پر پڑی مجمع ساکت ہو گیا اور لوگ دم بخود رہ گئے۔

"خبیبؓ! کوئی آخری آرزو ہے؟ تو بیان کرو"۔ ایک شخص نے کہا۔

"کوئی آرزو نہیں، دو رکعت نماز ادا کر لوں گا"۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا۔

"بہت اچھا، فارغ ہو جاؤ"۔

ہجوم سے آوازیں آئیں۔

پھانسی گڑی ہوئی ہے خبیبؓ اس کے نیچے کھڑے ہیں۔ تاکہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کریں۔ خلوص و نیاز کا اصرار ہے کہ زبانِ شاکر جو حمدِ حق میں کھُل چکی ہے اب کبھی بند نہ ہو۔ دستِ نیاز جو بارگاہِ کبریا میں بندھ چکے ہیں اب کبھی نہ کھلیں گے، رکوع میں جھکی ہوئی کمر کبھی سیدھی نہ ہو۔ سجدے میں گرا ہوا سر کبھی خاک نیاز سے نہ اٹھے۔ ہر بُنِ مُو سے اس قدر آنسو بہیں کہ عبادت گُذار کا جسم تو خون سے خالی ہو جائے مگر اس کے عشق و محبت کا چمن اس انوکھی آبیاری سے رشکِ فردوس بن جائے۔

حضرت خبیبؓ کا دل محبت نواز عشق و نیاز کی لذتوں میں ڈوب چکا تھا کہ عقل مصلحت کیش نے انہیں روکا اور ایک ایسی آواز میں جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے۔ انہیں روحِ اسلام کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کروگے تو کافر یہ سمجھے گا کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے۔ اس پیغامِ حق کے ساتھ ہی حضرت خبیبؓ نے دائیں طرف گردن موڑ دی اور کہا "السلام علیکم و رحمۃ اللہ"۔

کفار اب بھی خاموش رہے مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں کی زبانیں رو رو کر پکاریں "اے مجاہدِ اسلام! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ"۔

مردِ مجاہد خبیبؓ نے سلام پھیر کر صلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کفار نے انہیں پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا۔ اور پھر نیزوں اور تیروں کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں۔ اور ان کے صدق و مظلومیت کا امتحان لیں۔ ایک شخص آگے آیا اور اس نے خبیبؓ مظلوم کے جسم پاک کے مختلف حصوں پر نیزوں سے ہلکے چرکے لگائے۔ اور وہی خون اطہر جو چند لمحے پیشتر حالتِ نماز میں شکر و سپاس کے آنسو بن کر آنکھوں سے بہا تھا اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشکبو قطرے بن کر ٹپکنے لگا۔

پیکرِ صبر حضرت خبیبؓ کے دردناک مصائب کا تصور کیجیے۔ آپؓ ستون کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ کبھی ایک تیر آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے، کبھی نیزہ لگتا ہے اور سینہ چیر دیتا ہے۔ ان کی آنکھیں آتے ہوئے تیروں کو دیکھ رہی ہیں ان کے عضو عضو سے خون بہہ رہا ہے۔ مگر درد و تکلیف کی اس قیامت میں بھی ان کا دل اسلام سے نہیں ہلتا۔

ایک اور شخص آگے آیا اور اس نے حضرت خبیبؓ کے جگر پر نیزے کی انی رکھ دی پھر اس قدر دبایا کہ وہ کمر سے پار ہو گئی ــــ یہ جو کچھ ہوا حضرت خبیبؓ کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ حملہ آور نے کہا۔ اب تو تم پسند کروگے کہ محمدؐ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ و اصحابہ وسلم) یہاں لگ جائیں اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ ــــ پیکرِ صبر خبیبؓ نے جگر کے چرکے کو دل کی حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا مگر یہ زبان کا گھاؤ برداشت نہ ہوا۔ اگرچہ زبان کا خون نچڑ چکا تھا مگر جوشِ ایمان نے اس خشک ہڈی میں بھی تابِ گویائی پیدا کر دی۔ اور آپؓ نے جواب دیا۔ "اے ظالم! خدا جانتا ہے کہ مجھے جان دے دینا پسند ہے مگر یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ کے قدموں میں ایک کانٹا بھی چبھے"۔

نماز کے بعد حضرت خبیبؓ پر جو حالتیں گذریں۔ آپ بے ساختہ شعروں میں انہیں ادا فرماتے رہے ان اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ لوگ انبوہ در انبوہ میرے گرد کھڑے ہیں۔ قبیلے، جماعتیں اور جتھے یہاں سب کی حاضری لازم ہو گئی ہے۔

۲۔ یہ تمام اجتماع اظہارِ عداوت کے لئے ہے یہ سب لوگ میرے خلاف اپنے جوشِ انتقام کی نمائش کر رہے ہیں اور مجھے یہاں موت کی کھونٹی سے باندھ دیا گیا ہے۔

۳۔ ان لوگوں نے یہاں اپنی عورتیں بھی بلا رکھی ہیں اور بچے بھی، اور ایک مضبوط اور اونچے ستون کے پاس کھڑا کر دیا گیا ہے۔

۴۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں اسلام سے انکار کر دوں تو یہ مجھے آزاد کر دیں گے۔ مگر میرے لئے ترکِ اسلام سے قبل موت بہت آسان ہے۔ اگرچہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں مگر میرا دل بالکل پُرسکون ہے۔

(۵) میں دشمن کے سامنے گردن نہیں جھکاؤں گا۔ میں فریاد نہیں کرونگا۔ میں خوف زدہ نہیں ہوؤں گا اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔

(۶) میں موت سے نہیں ڈرتا اس لئے کہ موت بہرحال آنے والی ہے۔ مجھے صرف ایک ہی ڈر ہے اور وہ دوزخ کا ڈر ہے۔

(۷) مالکِ عرش نے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ثبات کا حکم دیا ہے۔ اب کفار کے زد و کوب سے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور اب میری تمام امیدیں ختم ہو گئی ہیں۔

(۸) میں اپنی عاجزی، بے وطنی اور بے بسی کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں نہیں معلوم میری موت کے بعد ان کے کیا ارادے ہیں۔ کچھ بھی ہو جب میں راہِ خدا میں جان دے رہا ہوں تو یہ جو کچھ بھی کریں گے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔

۹۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میرے گوشت کے ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔ اے اللہ! جو کچھ آج میرے ساتھ ہو رہا ہے اپنے رسولؐ کو اس کی اطلاع پہنچا دے۔

حضرت سعید بن عامرؓ حضرت فاروق اعظمؓ کے افسر تھے۔ بعض اوقات آپ کو بیٹھے بیٹھے دورہ پڑتا اور آپ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ ایک دن حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا "آپ کو کیا مرض ہے؟" جواب دیا۔ میں بالکل تندرست ہوں اور مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ جب حضرت خبیبؓ کو کو پھانسی دی گئی تو میں اس مجمع میں موجود تھا۔ جب وہ ہوش ربا واقعات یاد آ جاتے ہیں تو مجھ سے سنبھلا نہیں جاتا اور میں کانپ جاتا ہوں۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہی وہ جوانمردانہ شہادت تھی جس نے انہیں فَتَی الْفِتْیَان (جوانمردوں میں جوانمرد) کا خطاب دلوایا۔ اور یہ بے مثل شہید ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بن گیا۔

سلام اللہ تعالیٰ علیہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوۂ بدرؓ قافلہ

ڈاکٹر صادق حسین۔ ایم بی بی۔ ایس

• غزوۂ بدر اور قرآن مجید

اس واقعہ کے متعلق قرآن مجید کی تصریحات یہ ہیں کہ اس سچائی سے بہتر اور شہادت ہو نہیں سکتی۔ میں صرف اعتقاداً نہیں کہہ رہا بلکہ یہ حقیقت ہے کیونکہ باوجود مخالفتوں فتنہ پردازیوں، غلط بیانیوں، شرانگیزیوں اور افسانہ نگاریوں کے اس سے بہتر شہادت آج تک کوئی لا ہی نہیں سکا۔

"الف، لام، میم۔ رومی مغلوب ہوگئے ساتھ والے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے۔ چند برسوں میں اور سب پہلے اور پچھلے کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان۔ اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست رحم والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے دنیا کی زندگی کے ظاہری اسباب جانتے ہیں اور بعد میں کیا ہونے والا ہے اس کی خبر نہیں رکھتے۔"

(سورۂ روم: ا تا ۷ آیات)

ارض مصفٰی یا ساتھ والے ملک سے مراد فلسطین، مصر، شام، عراق، ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ ہوتے ہیں۔

حضور سرورِ کائناتؐ کو اعلائے کلمۃ الحق فرماتے ہوئے آٹھ سال گزرے تھے کہ ایشیا کی سب سے زیادہ طاقت ور سلطنت یعنی دولت آل ساسان نے ایک طویل معرکہ میں قیصر روم کو پے در پے شکستیں دے کر اس کے اقتدار کو خاک میں ملا دیا تھا۔ یہ واقعہ ۶۱۶ء میں پیش آیا۔

کفار مکہ جو زیادہ تر ایرانیوں کی تہذیب کے زیر اثر تھے مسیحیت کی اس تذلیل پر خوش تھے مکہ کے بت پرست اس واقعہ کو لے اُڑے اور مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے کہ تمہارا اور عیسائیوں کا خدائے واحد اب شہنشاہ ایران کے عساکر قاہرہ کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے اب اس کو کیوں نہیں بلاتے۔

کسریٰ کی فتح بظاہر ایسی فیصلہ کن اور قیصر کی شکست ایسی فاش نظر آتی تھی کہ رومیوں کے سنبھلنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ کیونکہ خسرو پرویز نے قسطنطنیہ اور چند ایشیائی بندرگاہوں یا دور اُفتادہ مغربی مقبوضات کے علاوہ ان کا تمام ملک فتح کر لیا تھا۔ اور دوسری طرف یہ حالت تھی کہ خود قسطنطنیہ بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ (ابے سینیا) کی طرف ہجرت کی اور مکہ والوں نے ان کو گرفتار کرنے کے لیے ان کا تعاقب کیا لیکن ناکام رہے۔

حبشہ سے ناکام واپس آنے کے تقریباً دو سال بعد قریش نے مسلمانوں کے خلاف ایک جتھا قائم کیا جس کے ذریعے سے انھوں نے مسلمانوں اور ان لوگوں سے جو ان کے حامی اور مددگار تھے۔ میل جول بند اور تمام تعلقات منقطع کر دیئے قریش نے زجرو توبیخ اور تنبیہہ و تہدید کے ذریعے مسلمانوں کو شہر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پیغمبر اسلام اور بنی ہاشم اور ان کے اہل و عیال کو تخمیناً تین سال تک شعب عبدالمطلب میں محصور ہونا پڑا وہ یہاں اس طرح رہتے تھے کہ بیرونی دنیا سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ قریش قطع تعلق کے معاہدے پر سختی سے عمل کرتے تھے یہ ملکی اور تمدنی معاہدہ ذیل کی شرائط پر مشتمل تھا۔

(۱) مسلمانوں کے ساتھ جن کو خون بدر کیا گیا تھا۔ شادی، بیاہ، رشتہ ناطہ نہ کیا جائے۔

(۲) ان کے ساتھ خرید و فروخت نہ کی جائے

(۳) ان سے ساتھ کل تعلقات قطع کر لیے جائیں۔

شعب عبدالمطلب ایک گھاٹی ہے جو کوہ ابوقبیس کی ڈھلوان میں واقع ہے ایک نیچا پھاٹک ساکنان شعب کو بیرونی دنیا سے جُدا کرتا تھا اس فوج کے مثل جو کسی قلعے میں محصور ہو اور جو جملہ ضروریات زندگی سے محروم اور تکلیف میں مبتلا ہو ان مقدس مہینوں کے سوائے جب کہ تمام مخالفانہ خیالات اور افعال بالائے طاق رکھ دیئے جاتے تھے کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا تھا ساکنان شعب کے صبر و تحمل اور مشرکین مکہ کی تعدی اور ایذا رسانی کی یہ حالت کوئی تین سال تک قائم رہی۔

سرور کائنات ان مقدس مہینوں میں شعب سے باہر نکل کر حاجیوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ان کو بت پرستی سے نفرت دلاتے اور ایک سچے خدا کی عبادت کی دلانے کا وعظ فرمایا کرتے تھے ایک روز حضور سرور کائناتؐ شعب سے باہر تشریف لا رہے تھے کہ سورۂ روم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ کفار مکہ کے لیے یہ شوشہ بن گئیں اور طعنہ زنی شروع کر دی کہ اس ردی حالت میں محصور ہونے کے باوجود سلطنت کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کی ظاہری حالت سے اندازہ لگا رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہُوا ہے اللہ کا وعدہ پُورا ہُوا جسے پُورا ہو کر ہی رہنا تھا۔

تین سال کی جان گداز مصیبتیں اٹھاتے ہوئے گزر چکے تھے کہ مخالف جماعت کے سربرآوردہ اشخاص میں سے پانچ سردار اس معاہدے سے علیحدہ ہوگئے اور مسلمانوں پر سے تمام پابندیاں ہٹا دیں۔ پھر کیا تھا قریش بھی اس مقاطعہ سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ رسالت کے دسویں سال پیش آیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد ابو طالب آپؐ کے چچا دائمی مفارقت دے گئے اور ابھی یہ داغ تازہ ہی تھا کہ حضورؐ کی رفیقہؓ حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئیں۔

شعب عبدالمطلب کے مقاطعہ کے ناکام ہونے سے مشرکین نے جفاؤں اور ایذاؤں کا ایک نیا انداز اختیار کر لیا۔ اب آپ کو اپنے فرائض کی ادائیگی سے جبراً روکا جانے لگا اسی سلسلہ میں آپ بنی ثقیف کے شہر طائف تشریف لے گئے۔ طائف والوں کی بدسلوکی سے سرور کائنات کی پنڈلیاں اور ایڑیاں پتھروں کے برساؤ سے لہولہان ہو گئیں طائف سے واپسی اور بھی مشکل ہو گئی۔ جب تک عبدالشمس کی نسل کا ایک سردار مطعم، آپ کی حمایت پر آمادہ نہ ہو گیا۔ حضورؐ مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔

اب نصرتِ الٰہی یثرب کی ایک سلیم القلب جماعت کی صورت میں نمودار ہوگئی۔ یہ ایک چھوٹی سی جماعت تھی جو حج کے موقع پر اسلام کے جمال جہاں آرا کے ایک ہی نظارے سے بے خود ہو کر مسلمان ہو گئی آئندہ سال اس کی تعداد بارہ تک جا پہنچی۔ دوسرے سال حج کے موقع پر ستر سے زیادہ قدسی نفوس نے مسلمان ہو کر اقرار کیا کہ ہم اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال کر آنحضرتؐ کو اپنے وطن میں پناہ دیں گے اگرچہ یہ بیعت پوشیدہ ہوئی تھی لیکن پھر بھی جانتے تھے کہ ان کا یہ طرز عمل قریش کے غیظ و غضب کو دعوت دینا ہے۔ قریش نہ صرف وطن کے اندر توحید کے پرستاروں پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے تھے بلکہ ان کی موجودگی کو خواہ وہ زمین کے کسی خطے پر ہو اپنے لیے ایک تباہ کن خطرہ تصور کرتے تھے۔ مسلمانوں کی ہجرت کو برداشت کرنا ان کے بس سے باہر تھا جو ان کو ہر وقت لرزہ براندام کیے رکھتی تھی۔

حکم ہُوا (جنگ کرنے کا) ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہُوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ ان کا دعویٰ اس کے سوائے کچھ نہیں کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ (سورۃ الحج (۲۲) ۳۹-۴۰)

تمام مفسرین قرآن مجید اس امر پر متفق ہیں کہ مندرجہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب سرور کائنات مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے (ابن کثیر کے بیان کے مطابق اس صورت کی اکثر آیات مکہ معظمہ میں ہی نازل ہوئیں اور کچھ مدینہ منورہ میں یہ لڑنے والے کفار کون تھے کفار مکہ تھے جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔

(۱) اور اللہ کی راہ میں تم بھی ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کر رہے ہیں البتہ زیادتی نہ کرو۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں

کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔
(۲) جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور ان کو اس جگہ سے نکال دو۔ جس جگہ سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔
(۳) فتنہ کا قائم رہنا قتل و خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔
(۴) اور مسجد حرام میں ان سے جنگ نہ کرو جب تک وہ اس کے اندر تم سے جنگ نہ کریں پس اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی جنگ کرو۔ اور کافر کا یہی بدلہ ہے اگر وہ باز آجائیں۔ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشش دینے والا اور رحم کرنے والا ہے۔
(۵) اور ان لوگوں سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔
(۶) اگر وہ باز آجائیں تو ان پر تشدد نہیں کرنا چاہیئے سوائے ان لوگوں کے مقابلے میں جو ظلم کرنے والے ہیں۔
(۷) حرمت والے مہینوں کی رعایت کی جائے تو تمہاری طرف سے رعایت ہونی چاہیئے اور اگر نہ کی جائے تو تمہاری طرف سے بھی نہ ہوگی۔
(۸) حرمت کے معاملے [illegible] بدلہ کا بدلہ [illegible] مندرجہ [illegible] سے [illegible] ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے [illegible] خونریزی کا جواز [illegible]

ایک برائی ہے۔ لیکن فتنہ کا باقی رہنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے پس ناگزیر ہے کہ فتنہ کے ازالہ کے لیے جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے۔
(۲) اگر وہ تم پر حملہ کریں تو ان کو قتل کرو۔ اور لڑنے والوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے یعنی مکہ مکرمہ سے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔ مسجد حرام کے نزدیک ان سے جنگ نہ کرو۔ ہاں اگر وہ خود جنگ کا آغاز کریں تو پھر جنگ کرنے کی تمہیں بھی اجازت ہے۔
(۳) اگر کفار جنگ سے باز آ جائیں تو تم بھی اپنا ہاتھ روک لو۔
(۴) باقی رہا ان مہینوں کا معاملہ جس کا عرب کے لوگ احترام کرتے ہیں تو اس معاملے میں جیسی روش وہ اختیار کریں تمہیں بھی وہی روش اختیار کرنا پڑے گی۔
(۵) ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ و فساد اور ظلم و ستم باقی نہ رہے اور قریش کا فتنہ کیا تھا یہ تھا کہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں۔
کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسمیں، توڑ ڈالیں اور رسول کو باہر نکال دینے کے منصوبے کئے اور پھر تمہارے خلاف لڑائی میں بھی پہل کی طرف سے ہوئی۔ کیا تم ان [illegible] اور اللہ ہی اس کا سزاوار ہے کہ اسی سے خوف کھایا جائے اگر تم سچے مومن ہو۔

(سورۃ توبہ ۱۳)

اور بدر کی لڑائی میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے۔ اور تم بہت کمزور تھے (اذلہ) اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم احسان مانو۔

(سورۃ آل عمران ۱۲۳)

اب ان آیات پر غور کریں جس گروہ کی حالت ایسی بے سرو سامانی کی ہو۔ اور اس قدر بے حیثیت ہو کہ کامیابی کا کچھ وہم و گمان بھی نہ کر سکتا ہو وہ کسی فوج پر حملہ آور ہونے کی جرأت کر سکتا ہے۔

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہلِ ایمان کی راضی نہ تھی وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد۔ گویا وہ جان بوجھ کر موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

(سورۃ الانفال ۵-۶)

ان آیات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام میں کچھ ایسے بھی تھے۔ کہ وہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے سے ناخوش تھے اس حد تک وہ سمجھتے تھے کہ انھیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اپنی موت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے [illegible] کیا یہ [illegible] اس لشکر کا ہو سکتا ہے جو تجارتی قافلہ لوٹنے کے باعث شہر سے نکل رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ضرورت پر آنحضرتؐ سے بحث کی۔ فصیل شہر کے اندر محصور رہ کر

مدافعت کو ترجیح دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعوےٰ غلط ہے کہ آں حضرتؐ مع اپنے اصحاب کے قافلہ کو لوٹنے کے لیے روانہ ہوئے تھے اور قریش اس کو بچانے کے لیے آئے تھے۔

اور جس وقت اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا۔ کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ وہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کر دے جھوٹ کو اور اگرچہ گنہ گار ناراض ہوں۔ (سورہ الانفال ۶-۷)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے معاملہ صرف اس قدر تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب رؤسائے مکہ نے اپنے سمجھے بوجھے ہوئے ارادوں کے مطابق مدینہ پر حملہ کر دیا تو ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے واپس پہنچ رہا تھا اور اس کا راستہ حسب معمول مدینہ منورہ کے قریب و جوار سے ہو کر گزرتا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا کہ ایک گروہ مکے سے آ رہا ہے اور دوسرا قافلہ ہے اور ان دو میں کسی ایک سے ضرور مڈھ بھیڑ ہوگی اور تم کامیاب ہوگے۔ چونکہ قافلے کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہوتے ہیں اس لیے صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ اس سے مقابلہ ہوگا اور مکہ والی فوج سے لڑائی نہ ہوگی۔ کیونکہ خود بڑی کمزور اور بے سرو سامانی کی حالت میں تھے۔ مگر سرور کائنات [illegible] سے مقابلہ کا فیصلہ کیا اگرچہ [illegible] نے رسول اللہ کا فیصلہ مان لیا

تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا۔ نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ یہ ایک قدرتی امر تھا اور صحابہ کرام کے مرتبہ، خلوص اور قوتِ ایمانی کے ذرہ بھر بھی منافی تھا چہ جائیکہ یہ سمجھا جائے کہ مسلمان مال غنیمت کے لالچ اور حرص میں خود ہی مشتاق ہو گئے تھے۔

جس وقت تم درے کنارے پر تھے اور وہ پرے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا اگر تم آپس آپس میں وعدہ کرتے اور وعدہ پر ایک ساتھ نہ پہنچتے لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد۔ اور بیشک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(سورۃ الانفال - ۴۲)

درے کنارے سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ منورہ سے قریب تھی اور اسی طرح پرے کا کنارہ وہ ہوگا جو مدینہ سے بعید تھا۔ اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔

پس اگر ارادہ قافلے کو لوٹنے کا ہوتا تو مہاجرین کا لشکر سمندر کا راستہ پکڑتا نہ کہ اس سمت روانہ ہوتا جو اس کے مقابل تھی۔ قافلے کا چونکہ بہانہ بنایا گیا تھا اس لیے جنگ کا الٹی میٹم (جنگ کی دھمکی) نہیں دیا گیا تھا اور چاہتے تھے کہ اچانک حملہ کر کے اللہ والوں کی مختصر جماعت کو ختم کر دیں۔ اگر جنگ کی باقاعدہ اطلاع دی گئی ہوتی تو ممکن تھا کوئی ایک

فریق وقت پر نہ پہنچتا اور جنگ کی نوبت نہ آتی اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا وہ ہو کر رہا۔

● غزوۂ بدر کے اسباب کا مطالعہ

(۱) مشیت ایزدی جس طرح ایشیا میں اپنے کرشمے دکھا رہی تھی اسی طرح حجاز میں خدا کا یہ فرمودہ پورا ہو رہا تھا کہ جس دن رومیوں کو غلبہ عطا کیا جائے گا اسی دن مسلمانوں کو بھی فتح نصیب ہوگی۔

قدسی صفات کی یہی وہ جماعت تھی جس میں ایمان بالغیب اور اعمال صالحہ کی خصوصیات موجود تھیں اور جس کے ساتھ خدا نے ایک عظیم الشان دینی اور دنیوی سلطنت کا وعدہ کیا تھا اور خدا کا وعدہ نہ کبھی ٹل سکتا ہے اور نہ کبھی جھوٹا ہو سکتا ہے۔

(۲) نبوتِ محمدیہؐ کی صبح تھی مکہ ظلمت کفر میں مبتلا تھا مشرکین مکہ کے ظلم و ستم [illegible] جور و شقاوت کا نشانہ داعیٔ توحید اور ان کے ساتھی تھے اللہ والوں کی اس نحیف و نحیف جماعت کے لیے مکہ میں امن و چین سے رہنے کی کوئی سبیل نہ تھی اور دشمنوں کے بے حساب مظالم سے ناچار ہو گئے تھے۔

چنانچہ مسلمانوں کے دو مختصر قافلے چپ چاپ مکہ سے نکل کر کشتیوں کے ذریعے ملک حبشہ پہنچ گئے ان ستم رسیدہ مہمانوں کا نجاشی نے پرتپاک استقبال کیا لیکن مشرکین مکہ جوشِ عداوت سے بے قرار ہو گئے معزز قریش کا ایک وفد تحفے تحائف کے ساتھ شاہ حبش کے دربار میں پہنچا۔ اس درخواست

کے ساتھ کہ مسلمانوں کو قریش کے حوالے کردیا جائے لیکن اس سے پہلے بادشاہ خود اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کر چکا تھا ناچار خاسر و نامراد واپس آئے۔

صرف اس واقعہ ہی سے بدر پر حملہ آور ہونے کا اصل سبب معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے تحت کونسا جذبہ کار فرما تھا۔ جو مشرکین مکہ کو حملہ آور ہونے کے لیے بار بار ابھار رہا تھا اور اس کی تدابیر سوچنے میں ان کا دماغ کیا کچھ نہ سوچتا ہوگا۔ اور کس حد تک جانے کو تیار ہو چکے تھے ورنہ فرزندان توحید تو ملک و وطن چھوڑ کر دیارِ غیر میں پناہ گزیں ہو چکے تھے حتیٰ کہ اپنے وطن کے ساتھ ان کا براہِ راست تعلق بھی کٹ چکا تھا۔

پس ان کا ابتدا ہی سے عندیہ یہ تھا کہ جاں نثارانِ محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں پائیں مٹا دیں۔ ضمناً اس بات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ حبش کے بادشاہ نے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو سات آٹھ برس تک پناہ دی تھی اور مسلمانوں نے اس نیکی کا معاوضہ یہ ادا کیا تھا۔ کہ آٹھ سو برس تک اس کی ایک انگلی کو اپنی ملک گیری کے سنگ گراں سے ٹھیس نہ لگنے نہ دی۔ عرب و عجم ان کے زیرنگیں تھا لیکن اگر زمین کا کوئی حصہ محفوظ تھا تو وہ حبش کا غیر متمدن اور وحشی حصہ تھا۔

تاریخ و اخلاق کا یہ عجیب و غریب واقعہ دنیا کو کبھی فراموش نہ ہوگا۔ جس میں سات سال کی نیکی کا معاوضہ سات سو برس کی نیکی سے ادا کیا گیا تھا۔

(۳) حبشہ کی ناکامی کے بعد مکہ میں موجود مسلمانوں کی مختصر جماعت کو شعب عبدالمطلب میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا اگرچہ اس پر تقریباً تین سال کا عرصہ گذر گیا تھا لیکن مقدس مہینوں میں عام آزادی اور رؤسا قریش کے درمیان ہم آہنگی کے فقدان نے اسے بھی ناکام کر دیا۔ چنانچہ قریش کے دو گروہ بن گئے اور ان میں سے ایک نے مسلمانوں کے بائیکاٹ سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔

(۴) ہم نے یہ سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ رسول مقبولؐ کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں قتال کا حکم اس لیے نہ دیا گیا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی جماعت کمزور تھی ایسا خیال کرنے سے تائید ایزدی سے انکار لازم آتا ہے ورنہ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی فتح کا سبب بن سکتی تھی۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مکہ میں قتال کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اگرچہ قریش کا ظلم و ستم اور تشدد حد سے بڑھا ہوا تھا اور خدائے واحد کے پرستاروں پر ہر وہ کچھ کر گذرے تھے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک تلوار نہیں اُٹھائی تھی اور پروردگار کی طرف سے بھی جب اس کے خلاف حکم ہُوا تو ہجرت ہی کا تھا۔

ابتداء میں ہجرت حبشہ کی طرف ہُوئی اور پھر مدینہ منورہ کی طرف۔ مسلمانوں کو ہجرت کرنے میں دو مہینے لگ گئے تھے گھر کے گھر ویران اور خالی ہو گئے۔

(۵) قریش پنچایت کر کے آں حضرتؐ کے خون کے درپے ہو گئے۔ سرور کائنات اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ہمراہ مکہ سے نکل کھڑے ہُوئے اور مکہ کے قریب غار ثور میں پناہ لی۔ قریش نے اپنے جاسوس ہر چار سو دوڑا دیئے مگر بے سود۔ تین روز تک آپ اپنے رفیق کے ساتھ غار میں پوشیدہ رہے پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہُوئے اور امن و اماں سے پہنچ گئے۔ اب جو لوگ مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے ان میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان کے ساتھ قریش نے زچ ہو کر بدسلوکی شروع کر دی حتےٰ کہ مدینہ منورہ کے مسلمان سعد بن عبادہؓ انصاری کے ساتھ بھی بدسلوکی سے پیش آئے جو ان کے قابو میں آگیا تھا۔

پس جنگ کی سب سے پہلے کوشش وہ سازش تھی جو قریش نے حضورؐ کو قتل کرنے کے لیے کی تھی اور یہ پہلی کوشش تھی جس میں تلوار سے کام لینے کی ٹھان لی گئی تھی۔ حکم خداوندی کے ماتحت سالارِ دو جہاں مکہ سے نکلے اور خود حضورؐ آپ اور آپ کے اصحاب مخلصین مال و متاع سے محروم کر دیئے گئے اور یہاں تک مجبور ہوئے کہ ان کی معاش کا دار و مدار اہلِ مدینہ کی مہمان نوازی پر رہ گیا ایسی حالت میں معقول طور پر اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے دشمنوں کے قافلوں کو ستانے کے درپے ہو سکیں۔

(۶) قریش نے جب سُنا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی آؤ بھگت ہو رہی ہے اور وہاں ان کو مذہبی آزادی مل گئی ہے اور وہ اہل مدینہ کی برادرانہ اخوت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں تو وہ اپنی اس نوزائیدہ

خونخوارانہ عداوت کو جو انہیں مہاجرین سے تھی ضبط نہ کر سکے اور مخالفت کی آگ پہلے سے زیادہ تندی کے ساتھ بھڑک اٹھی تھی۔

(۷) شعب عبدالمطلب کے بائیکاٹ ہو جانے کے اسباب کے پیش نظر تمام قریش مکہ کو جمع کرنے کا ایک ہی وسیلہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے خلاف ان سب کا مفاد مشترک ہو جائے براہ راست تشدد کا اب کوئی موقع نہ تھا اور تجار کے نزدیک مشترکہ تجارت ہی ان کا اہم ترین حیلہ ہو سکتا تھا چنانچہ اچھی طرح سمجھے بوجھے منصوبے کے ماتحت جنگ کا بہانہ تلاش کرنے کے لیے شام کی طرف ایک تجارتی قافلہ روانہ کیا جس کے اندر خلاف معمول مکہ کی تمام آبادی کو شامل کر لیا گیا۔ آپس کی تجارتی چشمک، ساز داری اور باہمی مقابلے کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

رؤسا مکہ از لیس کہ تجارت پیشہ تھے اور اپنے زمانہ کے بڑے چالاک بنیئے تھے۔ جن میں عربی شجاعت اور غیرت کے جوہر بھی موجود تھے چنانچہ ان کی بنیا صفت کام آئی اور انہوں نے ایک مکمل لائحہ عمل ترتیب دے لیا تھا۔ اس منصوبے کے ماتحت ایک طرف تو ایسا قافلہ شام روانہ کیا اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے اور جو اس وقت سے مکمل نہ ہو سکیں، جب تک کہ وہ قافلہ شام سے مدینہ کی طرف نہ روانہ ہُوا اور ان کی فوج اور قافلہ دونوں ایک ہی وقت پر مدینہ کے قرب و جوار میں پہنچے تھے اور مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا فاصلہ تقریباً اسی قدر ہے جس قدر مدینہ منورہ سے شام کی سرحد۔

اہل مکہ کی جنگی چالوں میں ایک بڑی کامیاب چال افواہیں پھیلانے کی تھی جس میں وہ بڑے مشاق تھے اور اس موقع پر انہوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ چنانچہ جب قافلہ کی واپسی کا وقت آیا تو اسلام کی مخالفت کو قومی خطرے کا رنگ دینے کے لیے یہ مشہور کر دیا گیا کہ رسولِ خداؐ اور ان کے خدا پرست ساتھی قافلے کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی یہ نشر و اشاعت اس لیے بھی قابلِ اعتناء سمجھی گئی تھی کہ قافلے کی واپسی کا راستہ مدینہ منورہ کے رخ پر ہی واقع تھا۔ بس اب کیا تھا ہر ایک کو اپنے مال اور منافع کی فکر ہوئی اور ذاتی مفاد ہر قسم کے تعلقات پر غالب آ گیا چونکہ ہر ایک شخص سے سرمایہ جمع کر کے قافلہ روانہ کیا گیا تھا اور اب اس کے لٹ جانے کا بہانہ بنا کر تمام مکہ میں آگ لگا دی تھی۔ اس لیے قافلے کی حفاظت کے لیے جو لشکرِ جرار تیار ہُوا اس کے اندر سبھی قسم کے لوگ شامل ہو گئے اور کسی کو مخالفت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

اس موہوم واقعہ کے یقینی ہونے کی نشر و اشاعت مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں پھیل گئی اور ہر شخص اپنے مخصوص مفادات کے خیال اور سمجھ کے مطابق اس سے متاثر ہونے لگا تھا۔

قرآن مجید میں ان کے اس وصف کا ذکر اس طرح آیا ہے اور افواہوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

اور ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو اڑا دیتے ہیں اور اس کے بارے میں رسولؐ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف رجوع کرتے جو ان میں سے برسر حکومت ہیں تو جو لوگ اس کو کھود نکالنے والے ہیں معلوم کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی مہر نہ ہوتی تو چند کے سوا تم سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے (سورۃ النساء ۸۳)

مسلمانو! اگر کوئی نافرمان تمہارے پاس خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ (ایسا نہ ہو) کہ نادانی سے تم کسی قوم پر جا پڑو۔ پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو اور جانتے رہو کہ تم میں رسول خدا موجود ہیں اور بہت سی باتیں ہیں کہ اگر وہ ان میں کہا مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑ جائے۔ (سورۃ الحجرات ۶)

رسول مقبولؐ کو جب اس لشکر کی مدافعت کے لیے تیار کیا گیا تھا تو بعض مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے جو مکہ کی نشر و اشاعت نے پیدا کر دی تھی اور سمجھنے لگے یہ تیاریاں قافلے کو لوٹنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد اگرچہ کچھ زیادہ نہ تھی لیکن تھی ضرور جو آئندہ بیانات سے ثابت ہو جائے گا۔

چنانچہ جب لشکر اسلام مدینہ منورہ سے روانہ ہُوا تو لشکر میں تین قسم کے خیالات پائے جاتے تھے۔

(۱) اوّل وہ جو مکہ والوں کی حیلہ بازیوں

سے متاثر ہو چکے تھے اور خیال کرتے تھے کہ مقصد قافلے کو لوٹنا ہے لیکن انہیں جلد ہی مایوس ہونا پڑا۔ جب حکم الٰہی سے توحید کے مستانوں کا یہ قافلہ شام کی طرف سے آنے والی شاہراہ کی طرف کا رخ کرنے کی بجائے بدر کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ ان لوگوں کے پیشِ نظر چونکہ متاع الغرور کا لالچ تھا اس لیے دل کے کچے نکلے اور لگے حیلے بہانے بنانے اور واپسی کا مطالبہ کرنے لگے چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔

(۲) مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو جنگ کے لیے مدینہ منورہ سے باہر جانے سے ناخوش تھا اگر مالدار قافلے کو لوٹنے کا مقصد ہوتا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے تو مسلمانوں کے ایک گروہ کی ناخوشی کی وجہ نہ تھی جیسا کہ سمجھا جاتا ہے نہ وہ اس قسم کی لوٹ مار کے زمانۂ جاہلیت میں چونکہ عادی تھے اور جنگ و جدال اور مال غنیمت کے بڑے حریص تھے اور یہ حرص نمایاں طور پر اعراب میں پائی جاتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ضرورت اور اس کے نتائج پر جو ان کی سمجھ میں آ رہے تھے سالارِ دو عالم سے بحث کی تھی اور انہوں نے فصیلِ شہر کے اندر محصور ہو کر مدافعت کو ترجیح دی تھی۔ (سورۃ الانفال۔ ۶-۵)

(۳) تیسرا گروہ ان اصحابہ کرام کا تھا جو ہر وقت اور ہر موقع پر رسول اللہ کے حکم کے سامنے بے چون وچرا سرِ تسلیم خم کر دینے کے عادی تھے" اور اسے اپنے لیے سعادت ابدی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور کسی صورت میں بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دینے پر رضا مند نہ ہو سکتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ دشمنوں نے بڑا گروہ جمع کر لیا ہے پس چاہیئے کہ ان سے ڈرتے رہو اور مقابلہ کے لیے باہر نہ نکلو لیکن یہ قدسی نفوس یہ سن کر خوف زدہ نہ ہوئے ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ اور بے خوف وخطر بول اٹھے۔

"ہمارے لیے بس اللہ کا سہارا بس کرتا ہے۔ اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا وہ کارساز ہے۔" (آل عمران۔ ۶۷)

(۹) قریش کی مشترکہ فوج ابھی بدر کے مقام تک نہ پہنچی تھی کہ قافلے کے صحیح سلامت بچ کر نکل جانے کی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ دو قبیلے بنی الاخنس اور بنی زہرہ مکہ واپس چلے گئے۔

(۱۰) جن سرداروں کا مقصد کچھ اور ہی تھا وہ فوج کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ باقیماندہ قبائل نے آگے کی طرف کوچ کر دیا۔

(۱۱) بعض تذکرہ نگار لکھتے ہیں" آنحضرت نے قافلہ لوٹنے کے لئے مقام صفرا میں قیام فرمایا۔ ابوسفیان نے آپ کے عزم سے خبردار ہو کر کسی ایک شخص ضمضم بن عمر غفاریؓ کو کمک طلب کرنے کے لیے مکہ روانہ کیا اور اس کے جواب میں قریش نے ساڑھے نو سو آدمیوں کی فوج کے ساتھ قافلے کو چھڑانے کے لیے کوچ کیا۔

لیکن غور کیجیئے کہ کمک پہنچانے کے لیے کئی ہفتے درکار ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اس زمانے کے وسائل رسل و رسائل کا یہی تقاضا تھا۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کم از کم نو دن کی راہ تھی اور ابوسفیان کے قاصد کو مکہ مکرمہ پہنچنے تک اس قدر وقت تو ضرور لگ گیا ہوگا پھر اگر یہ باور بھی کر لیا جائے کہ فوج بالکل تیار کھڑی تھی تو بھی اس قدر وقت ضرور لگ جانا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ یہ فوج بڑے طمطراق کے ساتھ گھر سے نکلی تھی اور راستے میں پڑاؤ پر پڑاؤ کرتی ہوئی بڑی شان اور غرور کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

سالارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم قریشِ مکہ کی فوج کے بڑھتے چلے آنے کی خبر پا کر اس کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے اور بدر پہنچے جو مدینہ منورہ سے تین دن کا راستہ تھا۔

(۱۲) قافلہ لوٹنے کے لیے کبھی بھی فوج تیار نہیں کی جاتی۔ صرف چند آدمیوں کے ساتھ شبخون مارا جاتا ہے۔ بھاری جمعیت کا ساتھ ہونا ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے اس کے لیے چند پھرتیلے آدمی درکار ہوتے ہیں جو اچانک قافلے پر ٹوٹ پڑیں، اور جو کچھ ہاتھ آئے لے کر چلتے بنیں۔ وہ قافلے کے محافظوں اور قافلے والوں کو اس قدر مہلت ہی نہیں دیتے کہ وہ ہوش میں آئیں اور سنبھل سکیں۔

(۱۳) اگر فرض کر لیا جائے کہ سرورِ کائنات قافلہ لوٹنے کے لیے ہی گھر سے نکلے تھے تو باشندگان مدینہ آپ کے ساتھ کیوں ہو گئے کیونکہ انہوں نے مہاجرین سے صرف

مدینہ میں ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے تو وہ محض لالچ کی بنا پر ان کا ساتھ دینے لگے تھے تو کیا وہ بھول گئے تھے کہ ایسا کرنے سے وہ خود بھی مصائب اور آلام میں مبتلا ہو سکتے ہیں جو پیغمبر اسلام کو پناہ دینے کی بنا پر ان کے لیے یقینی تھا انہوں نے عرصہ دراز تک خانہ جنگی کے دکھ اٹھائے تھے اور بعاث کی وہ خونریز لڑائی جو چند سال قبل وقوع میں آئی تھی اور جس نے ملک پر فالج کا اثر ڈال کر اہل ملک کو عاجز و ناتواں کر دیا تھا۔ ابھی تک اس کی یاد تازہ تھی۔ پھر ان میں منافقین کا ایک ایسا گروہ بھی تھا۔ جو مسلمانوں کو بدنام کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کے لیے ہر وقت کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتا تھا اور عبداللہ بن ابی ان کا سردار ابھی بقیدِ حیات تھا۔

چنانچہ تاریخوں میں آیا ہے کہ حضورِ سرورِ کائنات کے ہمراہ صرف اسی مہاجرین اور دو سو پچیس باشندگان مدینہ تھے۔ پس اگر باشندگان مدینہ نے آپ کا ساتھ دیا تو اس لیے کہ وہ اپنی قومیت اور مذہبی آزادی کے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔

(۱۴) اس قسم کے ماحول میں اگر مدینہ سے نکل کر جنگ نہ کی جاتی تو مشرکینِ مکہ یہودیوں اور دیگر کفار اور منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے فنا کے گھاٹ اتار دیتے کیونکہ مسلمان مادی اعتبار سے کمزور تھے اور دشمنوں اور مخالفوں میں گھرے ہوئے۔

(۱۵) بدر ایک ایسا مقام ہے جو مدینہ منورہ کے دفاع کا بہترین ضامن ہے۔ اور مکہ والوں نے بھی بدر کے بعد یہ بھانپ لیا تھا چنانچہ اس کے بعد انہوں نے جس قدر حملے کئے مدینہ والوں سے اتحاد پیدا کر کے کئے تھے تاکہ وہ بدر کو بہ آسانی پار کر جائیں اور اسی لیے بدر کے بعد جس قدر لڑائیاں ہوئیں وہ زیادہ خطرناک تھیں۔

بدر کے مقام پر ملک جغرافیائی اعتبار سے دو حصوں میں نمایاں طور پر تقسیم ہو جاتا ہے بدر کا مقام بھی عرفات کی طرح ایک میدان ہے جو چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ البتہ اس میدان سے بہت چھوٹا ہے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے موجودہ زمانے میں جو سڑک نکالی گئی ہے اس کے مطابق یہ مقام مکہ معظمہ سے ۲۷۶ (دو سو چھہتر کلومیٹر) دور واقع ہوا ہے اور مدینہ سے کوئی ایک سو تینتالیس کلومیٹر۔ لیکن مکہ معظمہ سے جو سڑک آتی ہے وہ بالکل سیدھی ہے اور جو سڑک بدر سے مدینہ منورہ تک جاتی ہے وہ پہاڑی علاقہ سے ہو کر گزرتی ہے اور پہاڑی علاقے کی پختہ موٹر کے قابل سڑک کی لمبائی پیدل فاصلے سے بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے بہ آسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں فاصلوں کا تفاوت اگر چار گنا نہیں تو تین گنا ضرور ہو گا۔

بدر سے مدینہ منورہ تک کا کُل علاقہ پہاڑی ہے اور بعض پہاڑ تو ان میں سے کافی بلند ہیں اور پانی کے چشموں کی بہتات سے جابجا نخلستان دکھائی دیتے ہیں۔ گویا یہ علاقہ پہاڑی ہونے کے باوجود بڑا زرخیز اور شاداب ہے۔

مکہ معظمہ سے بدر تک کا علاقہ لق و دق صحرا ہے۔ پہاڑ تو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ریتلا میدان جس کی ریت ہمارے ہاں کی ریت سے موٹی ہوتی ہے اس صحرا کی تمام نائی میں پانی کا تو نام و نشان نہیں ملتا اور چلنا پھرنا بےحد دشوار۔ صحرا کے قریب چونکہ سمندر بھی ہے اس لیے یہاں اکثر آندھیاں چلتی رہتی ہیں اور آندھی کا طوفان اس قدر پرزور ہوتا ہے۔ کہ حفاظتی سامان کے بغیر ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ گرم ریت جب اُڑتی ہے تو بڑے زور سے جسم کے ساتھ ٹکراتی ہے۔

اس گفتگو سے مطلب یہ ہے کہ مکہ معظمہ سے آنے والے کے لیے اڑھائی تین سو میل کے لق و دق صحرا کے بعد پہلا مقام راحت و اطمینان یہی بدر کا مقام ہے جہاں پانی کا ایک کنواں بھی ہے اور تھا اور ایک چھوٹا سا نخلستان بھی۔ البتہ مدینہ منورہ سے آنے والے کے لیے یہ ایک آخری حد ہے جہاں اسے پانی مہیا ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک ڈراونا صحرا جسے مخصوص حفاظتوں کے بغیر پار نہیں کیا جا سکتا۔

بدر کا کنواں پہاڑ کے دامن میں مدینہ منورہ کی جانب ہے جسے جبل البدر کہتے ہیں۔

پس جب دو لشکر بالمقابل ہوں تو اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ مکہ معظمہ سے آنے والے لشکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کنوئیں پر قبضہ جمائے کیونکہ پھر اس کے عقب میں ایک ایسا صحرا ہے جہاں سینکڑوں میل تک پانی میسر نہیں

ہو سکتا اور پھر جب آندھی چلتی ہے تو اس سے مامون رہنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ چند میل کے رقبے یا علاقے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ تمام صحرائی حصے پر چھائی ہوتی ہے اور اس کا رخ اس طرز پر ہوتا ہے کہ بدر کے علاقے پر اس کا کچھ بھی تو اثر نہیں ہوتا۔

مدینہ سے آنے والے لشکر کے عقب میں ایک آباد و شاداب قطعہ زمین ہے جہاں پانی اور نخلستانوں کی کمی نہیں لیکن بدر کے کنوئیں پر قابض ہو جانے سے دشمن قوی ہو جاتا ہے اور اسے پاؤں جمانے کے لیئے مقام مل جاتا ہے

پس مدینہ منورہ کے بچاؤ اور حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ مکہ معظمہ سے آنے والے دشمن کے مقابلے میں مدینہ والے اس کنوئیں پر قابض رہیں ورنہ ان کی پوزیشن کمزور ہو جائے گی۔

بدر کے کنوئیں تک پہنچنے کے لیے ایک درے سے بھی گزرنا پڑتا ہے جو جبل البدر کے دامن میں واقع ہے اور مکہ معظمہ کا کوئی لشکر اس پر قابض ہوئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

پس مدینہ والوں کا یہ اولین فرض تھا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے سب سے پہلے بدر کے کنوئیں کا بچاؤ کرتے [illegible] اسے اپنے قبضہ میں رکھنے کے لیے [illegible] کی بازی لگا دیتے دوسری طرف مکہ کے لشکر کے لیے بھی آخری امید بدر کا کنواں تھا کیونکہ اس کے [illegible] اور پانی پہنچنے کی [illegible] امید [illegible] کی جا سکتی

اس مقام پر ہونا لازمی تھی یہ کوئی اتفاقی بات نہیں تھی بلکہ سوچ سمجھ کر اس مقام کو سالار دوجہاں صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم نے منتخب فرمایا۔ مدینہ منورہ کا لشکر تو اس سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا اور مکہ معظمہ کا لشکر جو صحرا پار کر کے آیا تھا اب سوائے تباہی اور بربادی کے واپس جا ہی نہیں سکتا تھا

نیز اس قافلے کی حفاظت کے لیے بھی کافی تردد کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ بڑا مال دار تھا اگر مدینہ کا لشکر اس پر حملہ کرنا چاہتا۔ تو اسے بھی صحرا کا کافی حصہ طے کرنے کے بعد ہی قافلے تک پہنچنا ممکن ہو سکتا تھا اور صحرا کی حالت جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہر حملہ کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے اور کوئی کماندار محض لوٹ مار کی خاطر اپنے لشکر کو صحرا کی طوفان خیزیوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔

مٹھی بھر مظلوم و مقہور انسانوں کی ایک نوزائیدہ جماعت دنیا کی دو سب سے بڑی مذہبی قوتوں کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے جنگ کے لیے قدم نہیں اٹھایا تھا اور نہ وہ داعی امن ہو کر اٹھا سکتے تھے لیکن ان کے خلاف قدم اٹھایا گیا اور انہوں نے پیٹھ نہیں دکھائی۔

تلاش گمشدہ

میرا لڑکا محمد عمر، زبان سے گونگا عمر ۱۲ سال رنگ گندمی گم ہے کسی کو علم ہو یا کوئی پہنچا دے تو اس کی مناسب خدمت کی جائے گی۔

حافظ خوشی محمد لاری اڈہ چک راداس تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

نشریہ ریڈیو پاکستان لاہور
۹ مارچ ۱۹۸۲ء شام ۵ بجے

ایمان کی اہم ترین شرط

محمد سعید الرحمٰن علوی

بعد از خطبہ مسنونہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ الآیہ
صدق اللہ العلی العظیم

محترم سامعین۔ سورہ بقرہ کی آیات ۲۵۶، ۲۵۷ کی تلاوت کی گئی —— حاصل مدعا سے قبل ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں یقیناً ہدایت کی راہ گمراہی سے نمایاں اور ممتاز ہو چکی ہے سو جس شخص نے تمام معبودان باطلہ کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جس نے کبھی ٹوٹنا نہیں اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو اہل ایمان ہیں ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جو لوگ منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لیجاتے ہیں۔ یہ سب لوگ اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف اس بات کا نام نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مان لیا جائے۔ بلکہ ماسوا اللہ کا انکار اور ان سے مکمل بیزاری بھی ضروری اور لازمی ہے۔ قرآن عزیز کی سورہ مزمل کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے خدا کے سب سے قدیم ترین گھر کعبۃ اللہ کو دنیا کا سب سے بڑا بت کدہ بنا رکھا تھا وہ اپنے ٹھاکروں اور معبودوں کے متعلق یہ تصور رکھتے تھے کہ ان کی عبادت ہم اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا خاص مقرب بنا دیں گے — حالانکہ یہ اُن کا وہ فلسفہ تھا جو باطل من گھڑت تھا اور اس کی پشت پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہ تھی۔ خدا اپنے بندوں کے شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اس نے جنس انسانی پر سے ہی ایک خاص طبقہ کو جنہیں نبی و رسول کہا جاتا ہے دنیا میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو خدا کی عبادت و بندگی کا راستہ سمجھائیں ان میں سے کسی کو یہ حق تھا نہ اختیار کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کا کہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۷۸ میں ہے کہ:۔

کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب قوت فیصلہ اور منصب نبوت عطا فرمائے تو وہ لوگوں کو یہ دعوت دے کہ لوگو! اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو لوگوں کو یہی دعوت دے گا کہ لوگو! اللہ والے بنو۔

اور ایسی متعدد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے حضور نبی مکرم قائد الاعظم محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے خود آپ کے لئے سجدہ کی اجازت چاہی تو آپؐ نے سختی سے روکا۔ حتیٰ کہ دم واپسیں ارشاد فرمایا کہ پہلی اقوام کے ذلت و خواری کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے انبیاء و اولیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا خبردار تم ایسا نہ کرنا۔ یہ تمام باتیں اس بات کی غماز ہیں کہ ایمان خدا کو ماننے کے ساتھ ساتھ ماسوی اللہ سے مکمل بیزاری کا نام ہے اور جب آپ اسلام کے کلمہ پر غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس میں نفی پہلے ہے اثبات بعد میں —— یعنی لا الٰہ پہلے ہے

اور بہ اللہ بعد ہیں۔

پہلی آیت میں جو لفظ "طاغوت" ہے ۔جس کے کفر و انکار کو ایمان کی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے:۔ کہ ہر وہ وجود جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے ۔ قرآن عزیز نے اس کا جہاں ذکر کیا وہاں اس کے مدمقابل کا بھی ذکر ہے جس سے اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ پر ایمان اور طاغوت کے انکار کی بات ہے تو سورۂ نحل میں اللہ کی عبادت اور طاغوت سے اجتناب کا حکم ہے ۔سورۂ نساء میں ہے کہ مومن اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو کافر طاغوت کی راہ میں اور پھر مستقل حکم ہے کہ اولیا شیطن سے قتال کرو اس سے مفہوم متعین ہو گیا کہ طاغوت شیطان ہے اور قرآن نے سورۃ الانعام اور سورہ الناس وغیرہ میں واضح کیا کہ شیاطین انس وجن دونوں کو شامل ہے ۔سورۂ نساء میں ایک مقام پر اس لفظ کو کتاب الٰہی اور سنت رسول کے مخالف طریقہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے ——— آیت ۲۵۷ کا ابتدائی ٹکڑا لا اکراہ فی الدین ہے اس کے متعلق چند کلمات عرض کر دوں کہ ہر زمانہ میں لوگوں نے اس کا مفہوم غلط لیا ——— کفار و مشرکین کہتے تھے کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو خدا ہمیں اس روش سے جبراً ہٹا کیوں نہیں دیتا وہ تو بقول مسلمانوں کے علیٰ کل شیٔ قدیر ہے۔ ایک تو ان کو سمجھانا مقصود ہے کہ دیکھو خدا نے نبی اور اس کے ساتھ کتاب بھیج کر اتمام حجت کر دی۔ اب تم کونسا راستہ اختیار کرتے ہو۔ یہ تمہارا کام ہے ۔اس معاملہ میں کوئی جبر و اکراہ نہیں لیکن اس تہذیب جدید کے علمبرداروں نے یہ خیال کر لیا کہ ہر انسان حتیٰ کہ ہر مسلمان اپنے معاملات میں آزاد ہے۔ وہ چاہے نماز پڑھے یا نہ پڑھے نیکی و اصلاح کی روش اختیار کرے یا بدی و بگاڑ کی ۔ چوری ڈکیتی اور فساد فی الارض کو اپنی زندگی کا مشن بنائے یا اس کے برعکس حتیٰ کہ بقول ان کے اسلام کے بعد وہ ہر معاملہ میں بھی آزاد ہے کہ وہ کوئی دوسرا طریق اختیار کر لے ——— یہ وہ فکری گمراہی ہے جس کا ازالہ ازبس ضروری ہے ۔ہم نے کہا کہ اہل کفر اپنے کافرانہ اور مشرکانہ اعمال کی صحت کے لئے اس بات کو سند قرار دیتے تھے کہ خدا ہمیں کچھ نہیں کہتا وہ بجبر اس راستہ سے ہمیں ہٹا دیتا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ ایسا نہیں ہوگا ، سمجھانا مقصود تھا سو سمجھا دیا۔ تم جانو اور تمہارا کام ——— خیر و صلاح کا راستہ اختیار کرو گے تو اچھے ثمرات مرتب ہوں گے ورنہ ذلت و خسران تمہارا مقدر ہوگا ۔ گویا ایک اہل علم کے بقول اس میں جبر فطری کی نفی فرمائی ہے۔ جبر قانونی کی نہیں ۔ اسلام قبول کرنے کی سختی نہیں لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے تقاضوں کو پورا کرنا لازمی اور ضروری ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ قانون کی نظر میں مجرم ہوگا اور اسے سزا ملے گی ۔ فرق یہ ہوگا کہ ظاہری نافرمانیوں از قسم چوری، ڈکیتی، اغوا، قتل آبروریزی اور شراب خوری وغیرہ پر دنیا میں بھی سزا ملے گی ۔ اور مخفی نافرمانیوں پر آخرت کی سزا ۔ جب خدا کا تخت جلال بچھے گا اور تمام لوگوں کے اعمالنامے ان کے دائیں اور بائیں ہاتھ میں دے دیے جائیں گے۔ تو جس نے جو کچھ کیا ہوگا وہ دیکھ لے گا۔ اور اس کے مطابق اسے جزا و سزا سے دوچار ہونا پڑے گا ۔

آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا اور قد تبین الرشد من الغی" یعنی ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی" یہ اس جبر فطری کی وجہ سے ہے کہ چونکہ حق و باطل جدا جدا ہو گئے لہٰذا اب جس کا جی چاہے اسلام کا راستہ اپنائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ! کل کسی کو "ما جاءنا من نذیر" کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا ، کہنے کا موقعہ نہ ملے گا۔

جو شخص اپنے اختیار سے رسولؐ کی دعوت قبول کر لے گا اور ماسوی اللہ کی ہر نوع تابعداری سے الگ تھلگ ہو جائے گا اس نے ایسی مضبوط رسی اور حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا ، اللہ کی حفاظت میں آ گئے اور اس کے ہو کر رہ گئے ۔ تو جو اس کا ہو گیا خدا اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا بلکہ دارین میں اسے ابدی سعادتوں سے نوازے گا ۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان کا ولی کہا گیا جس کا معنی مددگار، کارساز ساتھی اور حمایتی کا ہے اور یہ بات قرآن میں متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ۔ رہ گیا نور اور ظلمت کا معاملہ تو نور کہتے ہیں عقلی، ایمانی عملی اور اخلاقی روشنی کو ۔ اسی طرح ظلمت سے مراد عقلی و اخلاقی تاریکیاں ہیں ۔ اور پھر نور کا لفظ صیغہ واحد کے طور پر لایا گیا تو ظلمات کا لفظ صیغہ جمع سے ۔ اس کی وجہ یہ ہے حق کی روشنی کا منبع ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ۔ اور یہ بھی کہ حق میں انتشار نہیں بلکہ وحدت ہے ۔ عقائد و اعمال کی جو شکل و صورت عرب میں ہے وہی عجم میں! ملکوں رنگتوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود بنیادی حقیقتوں کا معاملہ یکساں ہے جبکہ تاریکی و ظلمت کے وجود میں آنے کے راستے متعدد ہیں اور اس کے مزاج میں انتشار و اختلاف ہے ۔عرب کے اہل شرک کا ذوق عبادت اور انداز کا تھا تو چین اور ہندوستان کے اہل شرک کا اور انداز کا ۔ ایک خطہ کا بدعت پرست سنت کی روشنی سے محروم ہو کر کوئی طریقہ ایجاد کرتا ہے تو دوسرے خطہ کا کوئی دوسرا طریقہ ۔ تو جو لوگ خدا کی حفاظت و حمایت میں آ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا داتا و دستگیر بن جاتا ہے اور ہر گڑھے میں ان کو گرنے سے بچاتا ہے ۔ اس کے برعکس جو شیطانی طاقتوں کے رفیق و ہم سفر بن جاتے ہیں وہ نور ایمانی سے بالکل محروم ہو کر حتیٰ کہ نور عقلی سے محروم ہو کر تاریکیوں کے گڑھے میں گر جاتے ہیں اور پھر " مالھم من ولی ولا نصیر" نہ ان کا کوئی حمایتی ہوتا ہے نہ مددگار ——— اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنا بندہ بنا کر اپنے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے ذریعے آنیوالی شریعت و دین کا تابع بنائے اور ہر قسم کی تاریکی سے محفوظ رکھے ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

جماعتی احباب متوجہ ہوں

حضرت الامام درخواستی زیدمجدھم امیر نظام العلماء پاکستان کی دینی ، ملی اور جماعتی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن ان کی کوئی منضبط دستاویز موجود نہیں ۔

حضرت کے صاحبزادے مولانا حاجی فداء الرحمن صاحب درخواستی مقیم کراچی اس عنوان پر تفصیلی کام کر رہے ہیں ۔ فی الوقت وہ تمام مدارس جنہیں حضرت کی سرپرستی حاصل ہے ان کے مہتمم حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ اور بانی و مہتمم کا نام ، تاریخ تاسیس اور دوسرے ضروری کوائف درج ذیل پتہ پر ارسال کر کے ممنون کریں ۔

حضرت کی خدمات کے سلسلہ میں مزید کوئی اہم بات علم میں ہو تو اسے بھی فوراً ارسال کریں ۔ شکرگذار ہوں گا

مطیع الرحمن درخواستی
نائب مہتمم مدرسہ مخزن العلوم عیدگاہ
خانپور ضلع رحیم یارخان فون نمبر ۶۱۸

بے وقوفوں کی حکومت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَعَاذَكَ اللّٰهُ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَا اِمَارَةُ السُّفَهَاءِ؟ قَالَ اُمَرَاءُ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ لَا يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِيْ وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَا يَرِدُوْنَ عَلٰى حَوْضِيْ۔

(رواہ احمد والبزار ورجالھما رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۵ صہ ۲۴۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ سے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بے وقوفوں کی حکومت سے بچائے ۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بے وقوفوں کی حکومت کیسی ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا میرے بعد کچھ حکمران ہوں گے جو میرے طریقے (نظام) پر نہیں چلیں گے ۔ اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے پس جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں ان کا ساتھ دیا ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ۔

خواتین کا صفحہ

حضرت مخّہ رحمۃ اللہ علیہا کے حالات و فیات الاعیان، تاریخ بغداد اور طبقات الفقہاء الحنابلہ میں مسطور ہیں۔ یہ مشہور بزرگ بشر بن حارث حافی کی بہن تھیں اور نہایت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ خود بشر بن حارث بھی حد درجہ کے زاہد اور متقی تھے ان کا کہنا ہے کہ زہد و تقویٰ اور خوفِ خدا کی تمام ادائیں مَیں نے اپنی بہن مخّہ سے سیکھیں۔ بشر بن حارث کی پرہیزگاری اور خشیت الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن زبدہ کہتی ہیں ایک مرتبہ رات کو گھر آرہے تھے، جونہی دہلیز پر قدم رکھا ایک گہری سوچ نے آگھیرا رات بھر اسی طرح کھڑے رہے فجر کی اذان ہوئی تو سکر کا یہ عالم دور ہوا اور صحود ہوش نے کروٹ بدلی۔ زبدہ کہتی ہیں مَیں نے عرض کیا،

"بھائی! کس فکر میں ڈوبے ہوتے تھے؟

فرمایا "بہن! اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے انعام کی طرف اچانک عنانِ خیال منتقل ہو گئی۔ مَیں سوچ رہا تھا کہ میرے کئی ہم نام اور بھی ہیں ایک بشر عیسائی ہے، ایک بشر یہودی ہے، ایک بشر مجوسی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ مجھے اس نے اپنی رحمتِ خاص سے نوازا، اپنی محبّت کا ذوق بخشا، اپنے لطف و کرم کی دولت عطا فرمائی اور اپنے دوستوں کے حلقہ میں جگہ دی — مَیں اسی خوشی و سرمستی کی کیفیتوں میں سرشار تھا کہ صبح کی اذان کی آواز کانوں میں پڑی — ان کا کہنا ہے کہ زہد و اطاعت کا یہ عاطفہ میرے اندر بہن مُخّہ کی صحبت میں رہنے سے پیدا ہُوا —!

کھانے پینے میں احتیاط

مخّہ کھانے پینے کے بارے میں انتہائی محتاط تھیں۔ اکلِ حلال کے معاملے میں ان کی احتیاط غلو کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ یعنی کھانا کھاتیں تو سو مصیبتیں جھیل کر — خود جا کر جو خریدتیں، خود پیستیں، اور اپنے ہاتھ سے پکاتیں۔

محنت مزدوری

مخّہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتی تھیں۔ ان کا اصل سرمایہ یا راس المال دو دانق پر مشتمل تھا۔ ایک دانق سے روئی خریدتیں

ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اسے کاتتیں تو ایک دانق نفع حاصل ہوتا۔ ان کے مکان کے آگے سے ہاتھ میں مشعل لئے ایک چوکیدار ابن طاہر گزرتا اور وہ بعض لوگوں کے ساتھ وہاں کھڑا ہو کر باتیں شروع کر دیتا۔ مخّہ اس موقع کو غنیمت جانتیں اور تیزی سے سوت کاتنا شروع کر دیتیں۔ مشعل کی روشنی میں کاتا ہُوا سوت ظاہر ہے قدرے صاف اور باریک ہوتا جو اندھیرے میں کاتا جاتا وہ کچھ موٹا ہوتا۔

تشویش

مخّہ کو دو قسم کے اس مال سے یہ تشویش لاحق ہوئی کہ اسے کیونکر فروخت کیا جائے اور گاہک سے اس بارے میں کیا کہا جائے۔ اس خلش کو دور کرنے کی غرض سے وہ امام احمد بن حنبل رح کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ان کے مکان پر گئیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام احمدؒ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے کہا۔ دیکھو تو باہر کون ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی خاتون ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتی ہیں۔ باہر نکل کر عبداللہ نے دیکھا تو واقعی ایک خاتون سر جھکائے کھڑی تھیں۔ امام نے اندر بلایا — وہ آئیں سلام کر کے مؤدب ہو کر بیٹھ گئیں۔

دو سوال ؟

عرض کیا حضرت! دو باتیں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔

فرمایا۔ کہو!

عرض کیا پہلی بات تو یہ ہے کہ مَیں سوت کات کر گذر بسر کرتی ہوں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے چراغ کی روشنی میں کات لیتی ہوں۔ کبھی پیسے ہوں تو اپنا چراغ جلا لیتی ہوں لیکن کبھی تیل کم یا نہ ہونے کی وجہ سے چراغ بجھ جاتا ہے لیکن مَیں اپنا کام جاری رکھتی ہوں اور چاند کی روشنی میں چرخہ چلاتی اور سوت کاتتی ہوں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ جب مَیں سوت بیچوں تو کیا گاہک کو صاف صاف بتا دینا چاہیئے کہ سوت دو حصوں میں منقسم ہے یہ حصہ چراغ کی روشنی میں کاتا گیا ہے اور یہ چاند کی ضو میں تیار ہُوا ہے۔

فرمایا۔ دونوں میں کچھ فرق ہوتا ہے؟

عرض کیا۔ جی ہاں! چاند کی روشنی چونکہ کم ہوتی ہے اس لئے اس میں کاتا ہُوا سوت ذرا موٹا ہوتا ہے اور دوسرا باریک!

امام فرماتے ہیں فعلیک ان تبینی۔ یعنی تمہارا فرض ہے کہ اتنا فرق بھی کھول کر بیان کر دو۔

معاملات میں دیانت کے تقاضوں کا اندازہ کیجئے اور سوال کرنے والی اور جواب دینے والے کی دینی ذمہ داریوں کے شدتِ احساس کو ملاحظہ فرمائیے، غور کیجئے دیانت اور تقویٰ کا معیار کتنا اونچا ہے — خاتون کی اس جواب سے تشفی ہو جاتی ہے۔

اب وہ دوسرا سوال پوچھتی ہیں "اگر مریض تکلیف سے کراہنے لگے اور شدتِ الم سے چیخ پکار کرے تو اللہ کے حضور یہ شکوہ تو متصور نہیں ہوگا؟

امام احمدؒ جواب دیتے ہیں۔

"ارجوا ان لا یکون — میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ یعنی اللہ کی رحمتوں سے یہی توقع ہے۔ کہ وہ ہماری مجبوریوں اور کمزوریوں کے پیشِ نظر اسے شکوہ قرار نہیں دے گا بلکہ اسے اپنی طرف رجوع و التجا ہی کا ایک پیرایہ ٹھہرائے گا اور اپنی یاد اور دعا سے تعبیر کرے گا کیونکہ اس حالت میں انسان یاد تو بہرحال اللہ ہی کو کرتا ہے اور یہ اقرار کرتا ہے کہ تکلیفوں، مصیبتوں اور بیماریوں کو وہی رفع کرنے والا ہے"۔

دونوں سوالوں کا جواب پاکر خاتون عرض کرتی ہیں:

"حضور! اجازت ہے"؟

امام فرماتے ہیں — "آپ جا سکتی ہیں"

وہ رخصت ہو جاتی ہیں تو امام اپنے بیٹے عبداللہ سے کہتے ہیں۔

(باقی ۸ پر)

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی مطبوعات

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ بلاشبہ گزشتہ صدی کے مجددین امت میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف دائروں میں جو خدمت سرانجام دی اس کی تفصیلات ایک ادارے اور اکادمی کا کام ہے۔ آپ کی تصانیف اور مواعظ کی خالی فہرست ہی کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

برصغیر کے کتنے ادارے ہیں جنہوں نے آپ کی تصانیف کو شائع کیا اور اب تک شائع کر رہے ہیں لیکن خلق خدا ہے کہ ان تصانیف کے حصول کے لئے برابر سرگرم عمل، اور کبھی کسی ادارے کو یہ گلہ نہیں ہوا کہ اس نے حضرت تھانوی کی نسبت سے فلاں چیز چھاپی اور وہ پڑی رہ گئی ـــــ یہ سب حضرت کے خلوص اور جذبہ خدمت دینی کا کرشمہ ہے۔ چھوٹی بڑی ہزار سے زائد تصانیف کے باوجود کسی ایک کتاب کے حقوق اپنے یا اپنے لواحقین کے نام رجسٹری نہ کرائے۔ ہر کسی کو اجازت ہے جو چاہے چھاپے۔ اگر وہ خالی حقوق ملکیت ہی رجسٹری کرا لیتے تو لاکھوں میں کھیلتے۔ لیکن اس بندہٗ خدا نے ایسا نہیں کیا اور اللہ کے نام پر بہت کچھ وقف کر دیا۔

ابھی حال ہی میں ملتان جیسے قدیم شہر میں ادارہ تالیفات اشرفیہ قائم ہوا جس نے مختصر وقت میں کئی ایک معیاری چیزیں چھاپ دیں۔

جن میں سب سے پہلی چیز تو حضرت کے انتہائی محبوب خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ملفوظات بنام "حسن العزیز" ہے۔ ۸۰۰ صفحات کی یہ کتاب ایک عرصہ کے بعد چھپی ہے اور بڑی خوبصورت ہے، اس کی قیمت -/۳۶ روپے ہے۔

دوسری کتاب "محاسن اسلام" ہے جو آپ کے سات انتہائی اہم مواعظ کا مجموعہ ہے یعنی الاتمام لنعمۃ الاسلام ۱، ۲، ۳، محاسن الاسلام، احسان الاسلام، الدوام علی الاسلام اور الاسلام الحقیقی۔ قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری نے انہیں بڑی خوبصورتی سے مرتب کیا ہے۔ اس کے صفحات ۵۵۹ اور قیمت -/۴۸ روپے ہے۔

تیسری کتاب مکتوبات اشرفیہ کے نام سے آپ کے مجاز بیعت حاجی محمد شریف صاحب ریٹائرڈ انگلش ٹیچر کی مرتبہ ہے جس کے ۲۰۳ صفحات ہیں اور قیمت -/۲۱ روپے۔ اس میں حضرتؒ کے حاجی صاحب کے نام مکاتیب کے ساتھ ساتھ مرتب کی خود نوشت بھی ہے اور خطوط کا ایک ایک حرف اصلاح کے معاملہ میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ دو کتابیں اور ہیں جن میں سے ایک بنام "وصایا" افتخار فریدی صاحب مراد آبادی کی مرتب کردہ ہے جس میں انبیاء وصلحاء کی وصیتوں کا ذکر ہے۔ وصیت ایک قرآنی حکم ہے جس کے معاملہ میں اکثر غفلت کی جاتی ہے ـــــ مرتب موصوف نے ۳۷ بڑی شخصیات کے تناظر میں دکھایا ہے کہ ان کے نزدیک اس کی کیا اہمیت تھی اور وہ کس انداز سے وصیت فرماتے تھے۔ اس کی قیمت -/۱۲ روپے ہے، اور دوسری "نظر کی پاکیزگی" کے عنوان سے حضرت محدث عصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی متع اللہ المسلمین بالقائہم کے مجاز مولانا محمد ہاشم مظاہری بانی دار العلوم بولٹن برطانیہ کے قلم سے ہے اس قرآن وحدیث کی روشنی میں بدنظری کا علاج فاضل مصنف نے بتلایا ہے اس کی قیمت ۶/۵۰ روپے ہے۔ ادارہ نے تھوڑے وقت میں اچھا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ ہمیں توقع ہی نہیں یقین ہے کہ اہل نظر ان جواہر پاروں کی قدر کریں گے۔ پورا پتہ یہ ہے:۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ
محلہ پُخ ریلوے روڈ، ملتان

خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | ٹیلیفون نمبر ۶۶۲۹۸

منظور شدہ محکمہ تعلیم

۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۱۹ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء ۲۔ پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C/۲۳-۴۳۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

۳۔ کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲/۶۷/۳-۲۰ D.D.A.9 مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۵۲۱۰/۴۰/۶ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۶ء

قرآن پاک

پڑھیے ——— عمل کیجیے

——— اور دارین میں کامیابی حاصل کیجیے

بہترین طباعت، دیدہ زیب، عمدہ کاغذ، شاندار جلد

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا

مترجم و محشیٰ

قرآن عزیز

خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھائیے

قسم اعلیٰ ۲۰۰/- روپئے قسم اوّل ۸۲/۰ روپئے قسم دوم ۵/۰۰ روپئے قسم سوم ۵۰/۰۰ روپئے

ناشر

انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور